عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

ذی الحج ۱۴۲۵ھ / فروری ۲۰۰۵ء

Reg No: P 476

جلد سوم: شمارہ:۶

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے سالانہ بدل اشتراک: ۱۸۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

ای۔میل: saqi_pak@hotmail.com

saqi_pak99@yahoo.com

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

ایمان کی کمزوری کے اسباب کیا ہیں؟

ہر چیز کی قوت اور ضعف کے اپنے اپنے اسباب ہوتے ہیں، جیسے صحت کبھی قوی اور کبھی ضعیف ہوتی ہے، صحت کے قوی ہونے کے لئے دو چیزوں کا ہونا لازمی ہے ایک یہ کہ بیماری نہ ہو کسی قسم کے عوارض نہ ہوں اور دوم یہ کہ جسم کو مناسب اور متوازن غذا ملتی رہے جس پر انسان کے جسم کی قوت اور صحت کا انحصار ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں موجود ہونگی تو صحت قوی بھی ہوگی اور جسم صحت مند بھی ہوگا اور اگر ان دونوں چیزوں میں کمی ہوگی تو کسی مرض کے لاحق ہونے کے ساتھ ساتھ جسم بھی کمزور ہوتا چلا جائیگا۔ یہی حال ایمان کا ہے، ایمان حقیقت میں ایک اصطلاح ہے کہ جن عقائد اور اعمال کے پورے نظام کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ سلم لیکر آئے اسکے ظاہر وباطن کو کاملاً دل کے پورے یقین اور زبان کے اقرار کے ساتھ مانتے ہوئے اور ظاہراً وباطناً اعمال کے ساتھ اس کا عملی ثبوت مہیا کرتے ہوئے ان کے مطابق زندگی گزارے، اس کو ایمان کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ضابطہ کے مطابق عقیدہ پر کمال یقین رکھنا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا اور جسم کے لحاظ سے ان پر عمل کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ جس طرح جسم کی صحت کے لئے غذا کی ضرورت اور بیماری وغیرہ نہ ہونا ہے اسی طرح ایمان کے قوی ہونے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ جن چیزوں سے ایمان بڑھتا ہے ان اعمال اور فضاء کا موجود ہونا ضروری ہے اور جن چیزوں سے ایمان یا اعمال ایمانیہ میں ضعف آتا ہے ان کا نہ ہونا ضروری ہے۔ جیسے جسم کو بیماریاں لگتی ہیں ایسے ہی ایمان کو بھی مرض لگتے ہیں، جسم کی بیماریاں ڈاکٹر بتاتے ہیں اور ایمان کی بیماریاں انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں۔ ایمان کی بیماریوں کو گناہ کہتے ہیں۔ جس طور پر صحت کے ہوتے ہوئے جسم کو صحیح غذائیں دی جائیں تو صالح خون پیدا ہوتا ہے جس سے جسم میں قوت پیدا ہوتی ہے اسی طور پر اگر ایمان درست ہے تو اعمال صالحہ کے کرنے سے ایمانی خون وجود میں آتا ہے اور ایمان کو قوت پہنچتی ہے، اعمال صالحہ ایمان کے لئے وہ خون ہے جو ایمان کو قوی سے قوی تر کرتا چلا جاتا ہے اور اگر اعمال صالحہ میں کمی واقع ہوتی ہے تو جس طرح بعض جسمانی بیماریاں مہلک، بعض اشد اور بعض معمولی ہوتی ہیں اسی طور پر بعض گناہ مہلک، بعض اشد اور بعض معمولی درجہ کے ہوتے ہیں۔ عقیدہ کے رخ کے جتنے بھی گناہ ہیں وہ مہلک قسم کے ہیں، کبائر گناہ اشد ہیں اور صغیرہ گناہ عام بیماریوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر عام بیماری کو

انسان معمولی سمجھے اوراس سے پرہیز وعلاج کا اہتمام نہ کرے تو وہ بھی مہلک بن سکتی ہے جیسے عام زکام کبھی کبھی بے احتیاطی کی وجہ سے تپ دق پر منتج ہو جاتا ہے۔اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے ،چھوٹے گناہوں کے کرنے سے بڑے بڑے گناہوں کی جھجک ختم ہو جاتی ہے اور گناہ کا دروازہ جب ایک دفعہ کھل جاتا ہے تو پھراس کے کرنے میں رکاوٹ نہیں ہوتی۔جس طرح انسان ایک پھسلن سے گرتا ہے تو پھر گرتا چلا جاتا ہے اسی طرح چھوٹا گناہ بڑے گناہوں کو دعوت دیتا ہے،ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان نہ بڑا گناہ کرے اور نہ چھوٹا گناہ کرے قرآن میں آتا ہے

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (الحجرات:۱۱)

ترجمہ: یعنی ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا بھی بُری بات ہے

سفید کپڑے پر ہلکا دھبہ بھی نمایاں ہوتا ہے اور بہت برا دکھائی دیتا ہے۔کفر کی حالت میں بڑے سے بڑا گناہ بھی معمولی نظر آتا ہے لیکن اسلام اور ایمان کی موجودگی میں معمولی گناہ بھی بہت بڑا معلوم ہوتا ہے ۔عقیدہ کے لحاظ سے چند چیزیں ہیں جو ایمان کو برباد کرتی ہیں،کوئی ایسا عقیدہ رکھنا جو اللہ کی ذات وصفات کے منافی ہو ایمان کو ختم کر دیتا ہے۔ایمان کی جڑ اللہ تعالیٰ کی صفات کا یقین کامل ہے اور باقی تمام ایمانیات کی لائن اسی کا نتیجہ ہے۔اسی صفات کے یقین کو ہم ایمان مجمل میں دہراتے ہیں۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور اپنی صفتوں کے ساتھ ہے اور میں نے قبول کیا اس کے سارے حکموں کو،زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل سے تصدیق کرتا ہوں۔

ایمان کی بڑھوتری اور زیادتی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین پیدا کرنا ضروری ہے،اس کی صفات میں غور وفکر دھیان اور مراقبہ کرنے سے ایمان بڑھتا ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کو لیجئے،ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے لیکن صرف عقیدہ کی حد تک ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھتے ہیں مگر ہمارا حال یہ نہیں ہوتا اگر یہ ہمارے دل کا حال ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ہوتے

ہوئے ہم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیونکر ہوتی۔ ہمارے حضرت سید سلیمان ندوی صاحبؒ کے لفظوں میں عقیدہ جب دل کا حال بن جاتا ہے تو ایمان کی حقیقت کھلتی ہے۔ مثلاً آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے یہ آپ کا عقیدہ ہے، یہ آپ کے دل کا حال اس وقت بنے گا جب اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین آپ کو ہر حال میں ایسے نصیب ہو جائے گویا اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ آپ کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ کی حضوری اور اللہ تعالیٰ کا دیکھنا محسوس ہونے لگے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ عارف اور عامی میں کیا فرق ہے، جیسے عامی سمجھتا ہے کہ ہوا موجود ہے لیکن وہ محسوس نہیں کرتا محسوس کرنے کے لئے پنکھا چلا دو تو محسوس ہو جاتی ہے جبکہ عارف کو اللہ تعالیٰ کی موجودگی تیز چلتی ہوئی ہوا سے زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے اَللّٰہُ حَاضِرِیْ اَللّٰہ نَاظِرِیْ اَللّٰہُ مَعِیْ اَللّٰہُ شَاھِدِیْ کا دھیان کسی شخص کا بن جائے تو کیا وہ مجمع یا تنہائی میں گناہ کرے گا؟ جب کہ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو مالک قوی اور منتقم بھی جانتا ہے۔ ایک صفتِ خداوندی کا استحضار انسان کو تمام گناہوں سے بچانے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے، اللہ تعالیٰ رازق ہے، اللہ تعالیٰ کریم ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کا جتنا بھی دھیان کرتے چلے جاؤ گے اتنا یقین بڑھتا چلا جائیگا۔ خدا کی باتوں پر، خدا کی نعمتوں پر اور اللہ تعالیٰ کے حالات کے تغیر وتبدل کی قوت پر جتنا بھی غور کرتے چلے جاؤ گے تو یقین بڑھتا چلا جائیگا۔ صفاتِ الٰہیہ اور نعمائے الٰہیہ پر غور کرنے سے اور ان چیزوں میں تغیر وتبدل پر غور کرنے سے انسان کے اندر ایمان کی زیادتی آتی ہے، خدا کا تعلق اور ایمان بھی بغیر محنت کے نہیں آتا جتنی ایک چیز قیمتی ہوتی ہے اتنی اس کیلئے محنت کرنی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف سے لاپرواہی، غفلت اور خلاف والی چیزیں ایمان کو کمزور کر دیتی ہیں۔

لب ببند و چشم بندو گوش بند

گرنه بینی روئے حق برمن بخند

یعنی زبان کو غیر حق کے بولنے سے بند کر دے، آنکھ کو غیر حق کے دیکھنے سے بند کر دے اور کانوں کو غیر حق سننے سے بند کر دے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ کھل جائیگا اور غیب سے ایک حِس مل جائیگی جس سے

تم اللہ تعالیٰ کو سمجھنے والے اور پہچاننے والے بن جاؤ گے۔ گناہوں اور ظاہر کی کھڑکیوں کو بند کرلو تو خود بخود اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کھڑکی کھل جائیگی۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کا ایک شعر ہے ؎

کھول دے میرے لئے علمِ حقیقت کے دَر دلِ دانا، دلِ بینا، دل شنوا دیدے

جب انسان اپنے کو غیر اللہ کے یقین اور استیلاء سے نکال دیتا ہے تو زندہ دل مل جاتا ہے، اور پھر دل میں اچھائی اور برائی کے ادراک کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے۔ تن کو غیر اللہ سے فارغ کرو من زندہ ہوجائیگا۔ ہم تو اصل میں دل کے پاس ہی نہیں آئے، دل تو ملتا ہے خدا کے واسطہ سے ہم نے اللہ ہی کو نہیں لیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

تو ہمی گوئی کہ مارا ہم دلست دل فراز عرش باشد نے زپست

ترجمہ: تم بھی یہ کہتے ہو کہ میرا دل ہے! دل تو عرش کے اوپر ہے اور عرش سے نیچے نہیں ہے۔

ایمان کی پختگی کے لئے اولاً عقیدہ کی پختگی درکار ہے اور عقیدہ کی پختگی کے لئے فکری اور ذہنی لحاظ سے ان چیزوں سے بچنا پڑے گا جو عقیدہ کو کمزور کرتی ہیں۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ زبان سے اللہ کی طرف بلاتے رہو، کان سے اللہ کی طرف دعوت کو سنتے رہو اور آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھتے رہو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے یقین بڑھے گا۔ ہر مصنوع (بنی ہوئی چیز) صانع (بنانے والا) پر اور اس کی صنعت کاری پر دلالت کرتی ہے، اگر اس نگاہ سے مخلوق کی طرف دیکھو گے تو ہر مخلوق تم کو خالق کی طرف متوجہ کرے گی۔ اسی طرح اللہ کی سوچو، اس کی کہو، اس کی سُنو، اسی کو دیکھو تو اس سے ایمان بڑھے گا۔ بقول سلطان باہوؒ۔

یکے گویم یکے پویم یکے در دل چوں گل رویم

نہ جویم غیر الا ھو نہ پویم غیر الا ھو

چوں تیغ لا بدست آری مگو ثالث مگو ثانی

کہ لا موجود الا ھو ولا مقصود الا ھو

ترجمہ: ایک ہی کو بولتا ہوں ایک ہی کو سمجھتا ہوں اور ایک ہی کو دل میں پھول کی طرح اُگا رہا ہوں،

نہ تو اللہ کے غیر کو ڈھونڈتا ہوں اور نہ اللہ کے غیر کو سمجھتا ہوں۔ جب ’’لا‘‘ کی تلوار ہاتھ میں لے لو تو پھر نہ ثانی کہو نہ ثالث کہو، کیونکہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی موجود ہے نہ مقصود ہے۔

دل کے اندر ڈوب کر اللہ کو تلاش کرو۔ جس طرح کنویں میں ڈول ڈال کر پانی نکالا جاتا ہے اسی طرح دل کے اندر ڈوب کر خیال کرو کہ دل میں اللہ ہی اللہ ہے۔ اس کے لئے دل کے اندر اترنا پڑے گا باہر جنگلوں اور ویرانوں میں نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

؎ زاہد نے شہر چھوڑا جنگل میں جا کے بیٹھا — جس کی تلاش اس کو وہ ہے بغل میں بیٹھا

؎ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی — تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

ہم سے دل ہی کھو گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا دھیان نہیں، اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات کو سوچنا اور اس کو تلاش کرنا پڑے گا۔ دوسری بات جس سے اللہ کا دھیان بڑھے گا وہ ہے ذکرِ الٰہی کی کثرت مع الحقیقت اور مع الفکر۔ جتنا ذکر مع الفکر ہوگا اتنا ہی خدا کا دھیان بڑھے گا۔ اور تیسری چیز ایمانی فضائیں ہیں جن میں ایمان میں زیادتی آتی ہے یعنی اہل اللہ کی مجالس اور صحبت اور تبلیغی مجالس میں شرکت، انشاء اللہ تعالیٰ ایسے ماحول سے ایمان بڑھے گا اور اس کے ساتھ صحیح علم کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اسی بناء پر حضرت سعدی شیرازیؒ نے کہا ہے:

؎ پئے علم چوں شمع باید گداخت — کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

ترجمہ: علم کے لیے شمع کی طرح پگھلنا چاہئے کیونکہ بے علم خدا تعالیٰ کو پہچان نہیں سکتا۔

حقیقت علم اُسے کہتے ہیں جس سے انسان اللہ پاک کو پہچان لے۔

ع علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

ترجمہ: یعنی وہ علم جس سے راہِ حق معلوم نہ ہو وہ باطل ہے۔

ایک علم وہ ہے جو جذبات ایمانیہ کو زندہ کرے اس کو ہم فضائل کا علم کہتے ہیں، اور ایک علم وہ ہے جو انسان کو اعمال ایمانیہ پر صحیح رخ سے ڈالتا ہے، اس کو ہم مسائل کا علم کہتے ہیں۔ اعمال ایمانیہ میں اعمال کے دو رخ ہیں ایک جسم کے ساتھ متعلق ہیں اور ایک دل کے ساتھ متعلق ہیں۔ دل کے ساتھ جو اعمال متعلق ہیں ان کی طرف ہماری توجہ بہت کم جاتی ہے، دل کے وہ اعمال جو دل کی صحت کو خراب کرتے ہیں ان کو ہم رذائل کہتے ہیں، اور دل کے متعلق وہ اعمال جو دل کی صحت کو بڑھاتے ہیں وہ فضائل کہلاتے ہیں اور وہ اخلاص،

تواضع ،سخاوت حبِ الٰہی، خشیت الٰہی، صبر وشکر وغیرہ ہیں، یہ اغذیہ ایمانی ہیں، اور پرہیز کے طور پر گناہوں سے بچنا پڑے گا۔ بے یقینی ،شرک وغیرہ کے عقیدوں سے بچنا پڑے گا، اہل سنت والجماعت کے عقیدوں پر پختگی سے یقین رکھنا پڑے گا۔ ان کے علاوہ جو غلط عقیدے ہیں اس سے ایمان کا گلہ گھٹتا ہے۔ کبائر سے اجتناب ،صغائر سے اجتناب اور جملہ ظاہری وباطنی گناہوں کے گرد ونواح میں بھی پھرنے سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ گناہ سے بچنا چاہتے ہو تو گناہوں کے دواعی سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے کہ دو چیزیں اختیار کرنے کی ہیں اور دو چیزیں چھوڑنے کی ہیں ،ایک یہ کہ طاعت اور ذکر کو اپنا وظیفہ بنالو، اور دوسرے غفلت ومعصیت کو چھوڑ دو، پھر دیکھو کہ کیسے چمکتے ہو۔ ان سب چیزوں کے ساتھ مزید یہ کہ اپنے دل کی مراد بنا کر اللہ تعالیٰ سے ایمانِ کامل مانگو۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیۤ اَسْأَ لُكَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَ یَقِیْنًا صَادِقًا﴾

ترجمہ: یااللہ میں تجھ سے ایمان مانگتا ہوں جو کہ میرے دل میں پیوست ہوجائے اور یقین سچا۔

ایمان بہت بڑی نعمت ہے عطارؒ کہتے ہیں۔

ع "یکه ذره درد دل عطار را"

ترجمہ: درد دل کا ایک ذرہ عطار کو نصیب ہو۔

اور میں کہوں کہ "يك ذره ایمان دل مسلمان را"۔

یعنی ایمان کا ایک ذرہ بھی مسلمان کے دل کے لیے بڑی چیز ہے۔

اقبال کہتا ہے: ؎ مقام خویش اگر خواہی دریں دیر

بحق دل بند و راه مصطفی رو

ترجمہ: اگر اس دنیا میں اپنا مقام چاہتے ہو تو دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ پر چلو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

مذہب اور سائنس کا ٹکراؤ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم:

محترم جناب وائس چانسلر صاحب، جناب عزیز الرحیم صاحب، اساتذہ کرام اور عزیز طلباء۔

موضوع ہے "Conflict of Science and Religions" مذاہب اور سائنس کا آپس میں تصادم۔ ہم اور آپ نظر اُٹھا کر اپنے گردو پیش کو دیکھیں تو دو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں ایک تخلیق اور ایک عمل۔ عالم موجودات دو چیزوں کا نام ہے، ایک تخلیق یعنی جو چیزیں بنی ہوئی گردو پیش میں ہیں اور دوسری بات کہ وہ کیا کر رہی ہیں یعنی اُن کا عمل۔ سورج ہے، اُس کا ایک جسم ہے نظر آتا ہے اور ایک اُس کی حرکت ہے جو کہ اس کا عمل ہے۔ اب ایک اُصول ہے جو کہ جب سے انسان کی معلوم تاریخ ہے اُس سے لیکر اب تک وہی اُصول ہے جو سارے فلسفے، سارے مذاہب بلکہ ساری دنیا میں ہر جگہ چلا ہے اور اُس کو انسان سو فیصد مانتا ہے، وہ اُصول یہ ہے کہ ہر تخلیق کا خالق ہے او ہر فعل کا فاعل ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ سو فیصد ہے، اس بات کی کسی جگہ contradiction اور کسی جگہ اس کو رد نہیں کیا گیا۔ لہٰذا انسان کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ جو اتنی بڑی مخلوقات گردو پیش میں ہیں اور اتنے عظیم افعال اور کام جو وجود میں آرہے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایسا دور آئے گا کہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے، بعد میں حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کسی آدمی نے یہ سوال کیا تو اُنھوں نے اسے ہاتھ سے پکڑا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا یہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے یہ سوال کر دیا۔ اب آپ بیٹھ جائیں ایک بڑی تسبیح لے کر زمین کا محیط جو کہ ۲۴ ہزار میل ہے ۲۴ ہزار میل لمبی تسبیح لیکر بیٹھ جائیں اور اُس پر گنیں کہ اُس کا خالق دوسرا اُس کا پھر تیسرا اُسکا چوتھا ایک آدمی مرجائے تو دوسرا بیٹھ جائے یہاں تک کہ انسانوں کا یہ سلسلہ چلے اور ۲۴ ہزار میل تسبیح کو پورا کر لے، تو آخر کسی جگہ تو رُکنا پڑے گا ناں۔ یا تو سارے انسان اس بات کی تلاش میں مرجائیں اور یا یہ کہ اس کی ایک انتہا مانیں۔ اس لیے اوّل آخر، ظاہر باطن یہ چار خط ہیں جن کے درمیان ہر چیز کو بیان کیا جاتا ہے۔ اگر اوّل سے پہلے آپ آنا چاہیں تو پھنس گئے آپ کچھ نہیں کر سکتے اور آخر کے بعد آپ جانا چاہیں تو آپ پھنس گئے اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں فرمایا

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید:۳)

ترجمہ: وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے۔

میرے سامنے عالم خان صاحب (زرعی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر) بیٹھے ہوئے ہیں اُن کا بدن ہے اُن کی جلد ہے اُن کی بنیان ہے، قمیص ہے، واسکٹ ہے جو کالی نظر آتی ہے بس یہاں پر ظاہر ختم ہو گیا اس سے آگے اور ہم بات نہیں کر سکتے تو یہیں سے اُس کا وجود مان کر آگے بات شروع کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی بہت قابل آدمی ہے وہ کہتا ہے کہ جلد کے آگے پٹھے ہیں، پٹھوں کے پیچھے ہڈیاں ہیں، ہڈیوں کے پیچھے پھیپھڑے ہیں، پھیپھڑوں کے پیچھے دل ہے دل کے اندر حررات ہے، اتنی وولٹیج کی کرنٹ ہے، اتنی اُسکی حرکت ہے، کرتے کرتے ایک جگہ پر جا کر آخر اُس کی باطن کی انتہا ہو جائے گی، اب باطن پر آپ کو بات ختم کرنی پڑے گی، ورنہ آپ کی زندگی ممکن نہیں اور حصول علم اور عقلی دلائل ممکن نہیں۔ تو اسلیے ظاہر سے شروع کرنا پڑے گا باطن پر ختم کرنا پڑے گا، ابتدا سے بات شروع ہوتی ہے، انتہا پر ختم ہوتی ہے ان چار خطوں کو مانے بغیر کوئی چیز درست نہیں ہو سکتی، کوئی چیز بیان نہیں ہو سکتی کوئی عقلی دلائل نہیں دیے جا سکتے۔ لہٰذا انسانوں کو اس کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑیں گے اور خالق کو ماننا پڑے گا۔ تخلیق میں اب دو چیزیں ہیں ایک انسان ہے جو ساری مخلوقات کو دیکھتا ہے سمجھتا ہے اور ایک دیگر مخلوقات ہیں۔ اب انسان کے بارے میں خالقِ کائنات نے یہ بتایا کہ اس کا ایک مقصد ہے کیونکہ کوئی دانشور کوئی کام بغیر مقصد کے نہیں کرتا اپنا وقت ضائع نہیں کرتا انسان کے پیدائش کا مقصد کیا ہے؟

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات:۵۶)

ہم نے نہیں پیدا کیا انسانوں اور جنّوں کو مگر اس بات کے لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

اب انسان عبادت تب کر سکے گا جب انسان کو دو باتیں حاصل ہوں، ایک اسکی ذات باقی رہے اور دوسرے اسکی جنس باقی رہے، اس کی بقائے ذاتی ہو اور بقائے نوعی ہو، یہ خود بھی باقی اور زندہ رہے اور اسکی جنس بھی باقی رہے۔ انسان کی افزائش نسل ہو کر وہ پھلے پھولے اور زمین پر رہے تب عبادت کا مقصد پورا ہو گا لہٰذا عبادت مقصد ہے انسان کا اور انسان کے لیے بقائے ذاتی اور بقائے نوعی ضروری ہیں۔ انسان کی ذات باقی رہے گی کھانے پینے سے اور باقی ضروریات کو استعمال کرنے سے جن میں مکان ہے، کپڑا ہے، علاج ہے، حکومت ہے اور حفاظت ہے۔ جبکہ بقائے نوعی بیاہ شادی سے ہو گی۔ لہٰذا انسان کی بقا کا دارومدار کائنات میں اور زمین پر پیدا شدہ مخلوقات پر ہے۔ انسان کے ذمے دو کام تھے ایک کام اپنا مقصدِ عبادت پورا کرنا اور ایک

بقائے ذاتی اور بقائے نوعی کے لیے زمین اور آسمان کے درمیان جو چیزیں ہیں ان سے اپنے لیے وسائل پیدا کرنا، لہٰذا عبادت کی دو قسمیں ہوئیں ایک عبادت بلاواسطہ(direct عبادت) اور ایک عبادت بالواسطہ(indirect عبادت)۔عبادت بلاواسطہ کے متعلق امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ وہ دس چیزیں ہیں۔نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، اعتکاف، مراقبہ، خدمت خلق، اور جہاد دسویں چیز ہے، جہاد میں اعلائے کلمۃُ اللہ کی ساری کوششیں آجاتی ہیں۔تصنیف وتالیف، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، بیعت وتلقین، قانون وآئین کی سیاسی سرگرمیاں اور قتال۔عبادت بالواسطہ indirect بقائے ذاتی اور بقائے نوعی کے سارے کام ہیں، کیونکہ ان پر دارومدار ہے Direct عبادت کا۔اب Direct بلاواسطہ عبادات تو علوم الٰہیات کی شکل میں مذاہب کی شکل میں اور آسمانی وحی کی شکل میں انسانوں کے سامنے آئیں، یا انسان کی اپنے کاوشوں سے جو اُس نے جھوٹے مذاہب پیدا کیے اس کی شکل میں اُن کے سامنے آئیں۔اور جو Indirect عبادت ہے وہ زمین وآسمان میں غوروفکر کر کے اس سے اپنے لیے وسائل پیدا کرنے سے وجود میں آئیں، اور اس سے سائنس وجود میں آئی۔سائنس پرانے دور میں دو ہی چیزوں کو کہا جاتا تھا ایک فلسفہ اور ایک الٰہیات۔پرانے فلاسفر جو تھے ساری چیزیں اُن کے ذمے تھیں منطق، فلسفہ، کیمیا، طبیعات وغیرہ ساری کی ساری چیزیں اُن کے ذمے تھیں۔ درمیانی دور میں پھر سائنس علیحدہ شاخ ہوگئی۔ سائنس کی تین تعریفیں Definitions ہیں۔پہلی Encyclopedia Britannica میں ہے کہ سائنس لاطینی لفظ scicpia سے بنا ہے اور اس کا معنیٰ ہے علم۔پھر جو درمیانہ دور آیا اس میں کہا گیا کہ Science in modren english usage is generally confined to the old established natural sciences like Physical ,Chemical and Biological Sciences, however, mathematics is not excluded. ''اصطلاحِ سائنس کا مفہوم قدیم ثابت شدہ طبعی علوم تک محدود ہے یعنی طبیعات، کیمیاء اور حیاتیات بہرحال ریاضی اس سے خارج نہیں ہے یعنی وہ اس میں شامل ہے۔'' S.A Stainly کی کتاب ہے "Science Past and Present" اس کی سائنس کے متعلق تعریف جدید دور کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ ہے "Science in its widest sense is a systimatic method of describing and controlling the material world." ''سائنس اپنے وسیع ترین

معنی میں عالم مادی کے بیان اور اسے مسخر کرنے کے مربوط طریقے کو کہتے ہیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت علم ہے، اللہ تعالیٰ عالم ہے اور اللہ نے صفتِ علم کا پرتو اور تجلی زمین پر کی تو اس سے علوم اور حقائق کی شکل میں وہ چیزیں زمین کی طرف آئیں اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے دیں کہ وہ زندگی گزاریں اور مقصدِ پیدائش کو پورا کریں۔لہٰذا سائنس کوئی ایسا علم نہیں تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کے علوم سے علیحدہ ہو اور اس کے پڑھنے اور سیکھنے سے انسان کو فائدہ نہ ہو، لہٰذا مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ کی کوئی گنجائش اور ضرورت نہیں تھی، لیکن یہ ٹکراؤ کیسے ہوا؟ دو چیزوں میں ٹکراؤ تب آتا ہے جب ان میں سے ایک یا دونوں غلطی پر ہوں۔مثلاً پاکستان میں یہ بات مقرر ہے کہ گاڑیوں کی ڈرائیونگ بائیں ہاتھ پر کی جائے اور پیدل لوگ دائیں ہاتھ پر چلیں۔اب ٹکراؤ کب ہوگا؟ یا تو میں گاڑی چلاتے ہوئے دائیں آجاؤں یا سامنے والے اپنے راستے کو غلط کر کے سامنے آجائیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرف غلطی ہوگی۔تو ٹکراؤ تب ہوگا جب یا تو دین میں غلطی ہو یا پھر سائنس میں غلطی ہو۔ ایک طرف کی غلط چیز دوسری طرف کی صحیح چیز سے آکر ٹکرائے گی اور یہ اپنی غلطی کو اس سے منوانا چاہے گی اور وہ اپنی صداقت کو اس سے منوانا چاہے گی یہاں تک کہ اس ٹکراؤ میں بالآخر فتح صداقت کی ہوگی۔

سائنس پر مختلف ادوار گزرے ہیں، پہلے دور کی سائنس rudimentry ہے اور معمولی حیثیت کی ہے اور مذاہب بھی اتنے وسیع نہیں ہیں لہٰذا سائنس کا جو پہلا دور ہے اس میں کوئی ٹکراؤ نہیں آیا اور وہ دور قبل از تاریخ کا ہے۔سائنس کے درمیانی دور میں بہت سخت ٹکراؤ آیا ہے۔اس درمیانی دور میں سائنس کو یہودیت کے ساتھ ٹکرانے کا موقع نہیں ملا کیونکہ یہودیوں کے پاس سائنسی دور میں حکومت ہی نہیں تھی، اس درمیانی سائنسی دور میں مضبوط حکومت عیسائیوں کے پاس رہی ہے اور عیسائیوں کے مذہب کی تاریخ ایسی رہی ہے کہ شروع کے تھوڑے سے دور کے بعد ان کی کلیسا اور ان کا شاہی تخت علیحدہ ہوگئے۔پادری گرجوں میں آگئے اور فرمانروا تختوں پر بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کو چھیڑا نہیں۔فرمانرواؤں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ پادری ہم سے راضی رہیں اور باقی جو کچھ کرتے ہیں کرتے رہیں صرف لوگوں کو ہمارے خلاف کھڑا نہ کریں۔پادریوں کے پاس عیسائیت اپنی صحیح حالت میں باقی نہیں رہی تھی، تبدیلیاں کرتے کرتے انھوں نے اسے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق ڈھال لیا اور وہ ایک ایسی چیز بن گئی کہ جو کسی منطقی بحث کو، کسی فلسفے کے نظریات کو، کسی سائنسی بات کو مطمئن نہیں کرسکتی تھی، اور پادری یہ چاہتے بھی نہیں تھے کہ لوگ ان کے ہاتھ سے نکلیں لہٰذا سائنسی نظریات

جب سامنے آئے تو ان کا سب سے پہلا ٹکراؤ کلیسا کے ساتھ ہوا اور پادریوں نے اپنے بادشاہوں اور حکومتوں کو ساتھ لے کر سائنسدانوں پر وہ مظالم کیے ہیں جن کو پڑھ کر آدمی حیرت میں آجاتا ہے۔ان میں سے چند ایک مثالیں میں آپ کو سناتا ہوں۔ ۳۹۰ء میں تھیوفلس نے اسکندریہ یونیورسٹی میں پانچ لاکھ کتابیں جلائی ہیں اس بناء پر کہ یہ سائنسی کتابیں ہیں اور ان سے ہمیں نقصان ہو رہا ہے اور اپنے دور کے سائنسدانوں کے ساتھ سخت ٹکراؤ کیا ہے۔اس کی موت کے بعد سائرس اس کا کوئی بیٹا یا پوتا ہے وہ گدی پر بیٹھا اور اس گدی نشین نے اسکندریہ کی مشہور سائنسدان ہائی پیشیا Hypesia جس کا اسکندریہ میں اپنا ادارہ تھا اور وہاں اس کے لیکچر ہوتے تھے اور لوگ آکر سنتے تھے اور وہ جب کائنات کے حقائق کو بیان کرتی تھی تو لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے اور اس کا بہت بڑا حلقہ بن گیا تھا، اس کا سائنسی طرز عمل تھا جس سے پادریوں کے تعویذ گنڈے اور توہمات کا دھندہ ٹوٹ رہا تھا تو سائرس کے مریدوں نے ہائی پیشیا پر کالج جاتے ہوئے حملہ کیا اور اس کے کپڑوں کو نوچ کر اسے ننگا کیا اور گھسیٹ کر اسے کلیسا میں لائے اور پوپ کے بڑے ڈنڈے سے اس کا سر توڑا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا، اس بات پر کہ یہ مذہب کو خراب کر رہی ہے اور ایسے نظریات سامنے لا رہی ہے جو کلیسا کے زور کو توڑ رہے ہیں اور انسانوں کے عقائد کو خراب کر رہے ہیں۔سقراط کو اپنے سائنسی خیالات کے ظاہر کرنے پر اور نوجوان نسل کے اس سے متاثر ہونے پر زہر کا پیالہ پلا کر قتل کیا گیا ہے۔پولینڈ کے کوپرنیکس نے اس نظریے کو کہ زمین مرکزِ کائنات ہے رد کیا، اس نے کہا کہ زمین مرکز کائنات نہیں ہے بلکہ یہ گردش کر رہی ہے لیکن اس نے اپنی کتاب کو کئی سال تک چھپائے رکھا اس خطرہ سے کہ اگر یہ کسی پادری کے ہاتھ لگ گئی تو میرا جو حشر ہوگا وہ قابل برداشت نہیں ہوگا۔بہر حال جب وہ پادریوں کے ہاتھ چڑھا تو انھوں نے اسے جیل میں ڈالا یہاں تک کہ جیل میں ہی اس کی موت ہوئی۔اس کے بعد گیلیلیو آیا، اسے عمر قید کی سزا دی گئی۔

اب جب مسلمانوں کا فلسفہ ان کے پاس گیا تو اٹلی کے مشہور فلسفی برونو کو ۱۶۰۰ء میں عیسائی عدالت نے زندہ جلایا۔اسی طرح ڈریپر لکھتا ہے کہ ڈیتی اور ہیروئس کو بھی زندہ جلایا گیا۔اور وان دی ڈائنس کو کلیسا نے جیل میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ جب اس کی موت واقع ہوگئی تو اسے نکالا گیا، اس کی ساری سائنسی کتابوں کو نیچے رکھا گیا اوپر اس کو رکھا گیا اور آگ جلائی گئی اور اس کو اس میں جلایا گیا۔کلیسا کا سب سے بڑا ٹکراؤ جو سائنسدانوں کے ساتھ آتا تھا وہ اس بات پر آتا تھا کہ زمین گول ہے۔پادری کہتے تھے کہ اگر زمین گول ہے تو جو انسان نیچے کی طرف چلے گئے وہ گرتے کیوں نہیں ہیں، اور یہ جو بائبل میں آیا ہے کہ حساب

کتاب کے دن اللہ تعالیٰ آسمان سے آئے گا تو اوپر والے لوگوں کو نظر آئے گا یا نیچے والے لوگوں کو نظر آئے گا؟ بائبل تو کہتی ہے کہ سب کو نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ سائنس والوں پر اتنا ظلم ہوا کہ اس دور میں سائنس خاطر خواہ ترقی نہ کر سکی۔

اب مسلمانوں کی طرف آئیں۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کو اگر دیکھیں تو قرآن پاک کی آیات عجیب بحث کر رہی ہیں

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝ (البقرہ:۱۶۴)

ترجمہ: یقیناً زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں اور دن اور رات کے ادلنے بدلنے میں اور سمندر میں چلنے والے جہازوں میں جو کہ نفع کی چیزیں لے کر چل رہے ہیں اور آسمان سے جو اللہ تعالیٰ پانی نازل کر رہا ہے اس سے جو اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں سارے چوپائے جو پرورش پا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مسخر کیا ہوا بادل جو زمین و آسمان کے درمیان ہے ان میں سمجھ والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

نئے سائنسی انقلاب کی بنیاد قرآن نے رکھی اور انسان کو بتایا کہ اوپر خالق ہے اور نیچے تو اشرف المخلوقات اور سب سے زیادہ superior ہے اور کائنات تیری خادم ہے۔ سانپ تیرا خدا نہیں ہے، پہاڑ تیرا خدا نہیں ہے، دریا تیرا خدا نہیں ہے بلکہ یہ سب مخلوقات ہیں اور تیرے غور کرنے کے لیے ہیں اور تیرے تسخیر کرنے کے لیے ہیں۔ تو انسان کے ذہن پر صدیوں سے جو تالا پڑا ہوا تھا وہ کھلا اور انسان نے غور و فکر شروع کیا۔ اب قرآن کا اور مسلمانوں کا سائنس کے ساتھ ٹکراؤ کیوں نہیں آیا؟ اس میں ایک بات بنیادی کردار ادا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان علماء نے اس بات کو واضح طور پر بتایا کہ قرآنِ پاک سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن پاک کا تعارف اللہ تعالیٰ نے ھدایت کی کتاب کے طور پر کرایا ہے اور اس ھدایت کی کتاب نے اپنے مضمون کو آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی کی شکل میں ضرور بیان کیا ہے (آیات آفاقی قرآن پاک کی وہ آیات ہیں جو کائنات میں بکھرے ہوئے حقائق کو بطور مثال سامنے رکھ کر اپنے ھدایت کے مضمون کو بیان کر رہی ہیں، اور آیات انفسی قرآن پاک کی وہ آیات ہیں جو انسان کے اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان کو بطور مثال سامنے رکھ کر اپنا مضمون ذہن نشین کرا رہی ہیں) انھوں نے کہا کہ یہ عام فہم مثالیں گرد و پیش سے قرآن پاک

نے اپنے مضمون کو بیان کرنے کے لیے لی ہیں لہٰذا قرآن کے ذمے یہ بات ہے ہی نہیں کہ وہ سائنسی حقائق کو جس طرح سائنس بیان کرتی ہے اس طرح بیان کرے۔ لہٰذا شروع دن سے ہی صحیح اہل علم جو اس پائے کا علم رکھتے تھے جن کی بات چلتی ہے اور مانی جاتی ہے انھوں نے اس ٹکراؤ میں آنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ انھوں نے یہ کہا کہ اس سے عقیدہ خراب ہو رہا ہے۔ اب اس سلسلے میں تین چار باتیں میں آپ کو سناؤں جو ہمارے سامنے پاکستان میں گزریں۔ زمین کے گول ہونے کا نظریہ ہم سکول میں پڑھنے لگے تو ہمارے گاؤں کے دیہاتی ہمیں گلیوں میں پکڑتے تھے اور پوچھتے تھے زمین گول ہے؟ ہم کہتے تھے ہاں گول ہے، تو کہتے تمہاری ایسی کی تیسی تم کفر بک رہے ہو۔ اب ہم کیا کریں پرچے میں اس کو لکھنا ہوتا تھا اور اس کے بغیر آدمی پاس نہیں ہوتا تھا۔ قرآن پاک تو کہتا ہے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿اور اس کے بعد زمین کو بچھایا﴾ جب یہ بات اہلِ علم کے پاس آئی تو انھوں نے کہا کہ قرآن پاک نے عام آدمی کو جو زمین فرش کی طرح بچھی ہوئی نظر آتی ہے اور وہ اس میں زراعت وغیرہ کرتا ہے آیت اس کے بارے میں ہے، یہاں گول ہونے پر تو کوئی بحث ہی نہیں ہے، اور زمین کا گول ہونا اس آیت کے لحاظ سے عقیدے کا مسئلہ ہی نہیں ہے کہ اگر عقیدہ اس کے مطابق رکھا جائے تو آدمی مسلمان ہو اور اگر نہ رکھا جائے تو کافر ہو۔ چاند پر پہنچنے کی بات آئی تو اس کے متعلق گاؤں میں جھگڑے ہوئے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم سنتے تھے، ایک دوسرے کو کہتا تھا وہ کہتے ہیں کہ چاند پر چلا گیا ہے تو دوسرا جواب دیتا کہ سب جھوٹ بولتے ہیں، کافر ہیں، مرتد ہیں۔ چاند تو فلکِ رابع پر ہے اور یہ وہاں تک کیسے پہنچ گئے؟ اب یہ بات چلتی رہی یہاں تک کہ مولانا یوسف بنوری صاحب نے اپنے رسالہ بینات میں اس پر مضمون لکھا۔ ایک پرانی ہیئت کی کتاب جو یونانیوں کے زمانے کی تھی اور عربی میں ترجمہ ہونے کی وجہ سے مدارس میں پڑھائی جاتی تھی یہ اس کی باتیں تھیں اور یہ قطعاً قرآن وحدیث میں آئی ہوئی بات نہیں تھی کہ جس کو سامنے رکھ کر عقیدے کا مسئلہ بنایا جاتا۔ بلکہ اہل علم نے کہا کہ یہ بات تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی تائید کر رہی ہے کہ انسان اوپر بھی جا سکتا ہے، لہٰذا یہ بات ہمارے مذہب کے خلاف نہیں جا رہی بلکہ ہمارے مذہب کے حق میں جاتی ہے۔ ہمارے گاؤں کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی نو میل دور تحصیل مانسہرہ سودا لانے کے لیے گیا، اس وقت گاڑیاں نئی نئی آئی تھیں جب واپس آیا تو اس نے کہا کہ مانسہرہ میں تو بارش تھی اور یہاں نہیں ہے۔ استاجی نے کہا کہ کافر ہو گیا ہے۔ کیا وہاں دوسرا خدا ہے اور یہاں دوسرا خدا ہے کہ وہاں بارش برس رہی ہے اور یہاں نہیں برس رہی؟ ایک واقعہ میرے ساتھ ہوا، ہم اسلامیہ کالج میں ۱۹۶۴ء میں داخل ہوئے۔

ہمارا ایک ساتھی صحت کے لحاظ سے ذرا کمزور تھا اس کے ساتھ والد صاحب نے نوکر بھیجا ہوا تھا کہ یہ ڈرے نہیں اور اس کو کوئی مارے نہیں۔ وہ سارا دن پاس رہتا تھا اور ہماری باتیں سنتا رہتا تھا۔ اس کو بڑا افسوس ہوا کہ سارے لڑکے کافر ہو گئے ہیں۔ اس نے میرے بارے میں سوچا کہ یہ ذرا نماز پڑھتا ہے پتہ نہیں یہ بھی کافر ہو گیا ہے یا نہیں۔ اس نے مجھ سے کہا بچے! یہ لڑکے کہتے ہیں کہ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور بارش اس سے ہوتی ہے۔ میں نے کہا ہاں کاکا جی اس سے ہی ہوتی ہے۔ اس نے کہا توبہ اور کان پکڑ لیے اور اس کو بڑا افسوس ہوا کہ ان میں جو لڑکا نماز پڑھتا تھا وہ بھی کافر ہو گیا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ میرے بارے میں اس کا بڑا غلط تاثر ہو جائے گا تو میں نے اس سے کہا نہیں کاکا جی یہ تو میں نے ایسے ہی مذاق میں بات کہہ دی ہے بارش تو اللہ تعالیٰ برساتا ہے بخارات سے نہیں ہوتی۔ وہ بڑا خوش ہو گیا کہ ایک آدمی کا ایمان تو بچا ہوا ہے۔ اب یہ ایک دیہاتی آدمی کی اپنے محدود علم کی روشنی میں جو اس نے اپنے گاؤں میں استاجی سے سنا تھا کے مطابق سوچ ہے، استاجی کے بس میں بھی اتنا ہی تھا۔

قرآن پاک نے توحید کا مضمون چار واسطوں سے بیان کیا ہے، آیات آفاقی، آیاتِ انفسی اور تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ۔ آیات آفاقی میں کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں جس کے بارے میں آیت میں فرمایا گیا ہے

سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ

ترجمہ: ہم عنقریب انکو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھا دیں گے۔

آیات انفسی میں انسان کے اپنے بدن میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان کو لیا گیا ہے

وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ (حم السجدہ:۵۲)

اور خود ان کی ذات میں بھی اور یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔

تذکیر بایام اللہ میں گزشتہ قوموں کے واقعات سنا کر اور تذکیر بآلاء اللہ میں انسان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ کر کے ھدایت کے مضمون کو بتایا گیا ہے۔ ہم آیات آفاقی اور آیات انفسی کو لیتے ہیں۔ آیات آفاقی اور آیات انفسی جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں سو فیصد ان سے مطابقت رکھتی ہیں صرف ایک آیت وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ﴿کہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چل رہا ہے﴾ ایسی ہے جس کی مطابقت پرانے سائنسی نظریئے سے نہیں تھی کیونکہ ۱۹۱۷ء سے پہلے سائنسی نظریہ یہ تھا کہ سورج ساکن ہے اور

زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے جبکہ قرآنی نظریہ یہ ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے۔اس دور میں لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ اس تفسیر کو بدل کر کسی طرح جدید سائنس کے مطابق کر دیا جائے لیکن علماء نے سختی سے اس کی تردید کی اور کہا کہ ہمارا یہ یقین ہے کہ سائنس کی یہ غلطی درست ہو جائے گی چنانچہ ۱۹۱۷ء میں شیلے کا نظریہ سامنے آیا جس کے مطابق سورج اپنے پورے نظام شمسی کو لیے ہوئے اپنی گلیکسی میں ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف چل رہا ہے۔

آیات آفاقی میں سے بارش اور بادل عجیب مظاہر قدرت ہیں پرانے زمانے کا نظریہ رہا ہے کہ آسمانوں پر ایک سمندر ہے اس کا پانی جب آسمان دنیا پر آجاتا ہے تو اس کے سوراخوں میں سے چھن چھن کر بارش بن کر برستا ہے۔ارسطو کا نظریہ تھا کہ کنوؤں سے نکلنے والا پانی زیر زمین ایک بہت بڑی جھیل سے نکلتا ہے۔جدید سائنس نے سمندر سے بخارات کا اٹھنا اور ان کا بادل بننا پھر بادلوں کا ہوا کے ذریعے حرکت کرنا اور دور دراز علاقوں میں جا کر برسنا بیان کیا جبکہ یہ حقائق چودہ سو سال پہلے قرآن مجید میں بالکل اسی طرح بیان کیے گئے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ (النور:۴۳)

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر ان کو جس (کی جان پر یا مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے

وَاللّٰهُ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ o (فاطر:۹)

ترجمہ: اور اللہ ایسا قادر ہے جو بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے اور پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور پھر ہم اس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے پانی کے ذریعے سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اس طرح قیامت میں آدمیوں کا جی اٹھنا ہے۔

آج صبح میں علامہ شمس الحق افغانی صاحب کی کتاب دیکھ رہا تھا اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ پاکستان و ہندوستان کی جو بارش ہے اس کے لیے اگر سورج نہ ہو اور پانی سے ہم بخارات بنانا چاہیں تو اس کے لیے ساری دنیا کا بجٹ مل کر وہ توانائی نہیں دے سکتا جو کہ کراچی کے سمندر سے پاکستان ہندوستان کے لیے بخارات کو اٹھا کر ہوا پر سوار کرے، اور پھر اس کو لے کر جانا اور اس کو برسانا پھر اس کے ساتھ دو قسم کے سٹور کرنا ایک برف کی شکل میں سال بھر کے لیے اور ایک بارش کی شکل میں عارضی ایک درمیانہ قسم کا سٹور چشموں کی شکل میں اور ایک ذرا گہرا سٹور کنوؤں کی شکل میں بنانا۔ اس کو سب سے پہلے قرآن پاک نے چودہ سو سال قبل بیان کیا اور سارے فلسفے جو چل رہے تھے ان کو اکھاڑ پھینکا، اور ایسے سادہ الفاظ میں ہے کہ اس میں اتنی سائنسی پیچ پیچ کی اور اتنی بحثوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ آئیں کائنات کے جیالوجی، آرکیالوجی، جغرافیے، فزکس اور کیمسٹری کے رخ کے حقائق ہیں، ان کو پڑھیں تو خصوصاً جو دانشور ہیں پروفیسر صاحبان اور ذہین طلباء ان کی عقل کو چکرا کر رکھ دے کہ قرآن کیسے خطاب کرتا ہے۔ میں ایک دفعہ درسِ قرآن دے رہا تھا جس میں جغرافیے کا ایک پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ایک آیت پڑھی وَالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا (ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں بنایا)، تو اس نے کہا سبحان اللہ کہ یہ تو ہمارے جغرافیے کا فلانا نظریہ ہے کہ ایک ایک میل، دو دو میل، چھ چھ اور سات سات میل تک پہاڑ میخ کی شکل میں زمین کے اندر جا رہے ہیں۔ اگر ہمالیہ کا سلسلۂ کوہ نہ ہوتا تو برصغیر پاک و ہند کی زمین بہہ کر سمندر میں گر چکی ہوتی لیکن کوہ ہمالیہ کی میخوں نے اس کو روکا ہوا ہے۔ اسی طرح ہر مضمون کے حقائق ہیں، آپ میڈیکل سائنس کی طرف آئیں ایک واقعہ کی شکل میں آپ کو بتاؤں، ۷۶۔ ۱۹۷۵ء کی بات ہے جب کہ کیمونزم کی زبردست دعوت پاکستان میں آ رہی تھی، ہمارے کالج کے چند پروفیسر صاحبان کہا کرتے تھے کہ ہم کیمونسٹ ہو گئے ہیں، ایک پروفیسر صاحب میرے استاد بھی تھے، میں جب بطور سٹاف ممبر آیا تو ان کی خدمت شروع کی وہ چپڑاسی سے کہیں کہ پانی لاؤ تو میں اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیتا، وہ کہیں چائے ڈالو تو میں اٹھ کر ڈال دیتا اس طرح ان سے بڑی دوستی ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ ان کو میں توحید کی دعوت دوں گا۔ میں نے ایک دن ان کے سامنے یہ آیتیں پڑھیں

ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ○ (المؤمن:۱۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی (بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا، سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

یَخۡلُقُکُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّھٰتِکُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ (الزمر:۶)

ترجمہ: تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں

یہ آیتیں ہمارے مضمون امبریالوجی کے بارے میں ہیں۔ یہ مضمون ماں کے پیٹ میں بچے کے بننے کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ ترجمے سے اس کو حیرت ہوئی کہ آج کے دور کی سائنس نے جس چیز کو اتنی تحقیقات کے بعد بیان کیا وہ چودہ سو سال پہلے علمی دنیا سے کوسوں دور ایک اُمی لقب نبی ﷺ کی زبان سے کتنے واضح انداز میں بصورت کلام الٰہی بیان ہوئی ہیں۔

دراصل مسلمان سائنسدانوں نے بے پناہ خدمات انجام دیں اور جدید دور کو ایک بنیاد فراہم کی جس پر کام کر کے اس دور والے آگے بڑھے اور موجودہ ترقی ہوئی۔ اس سلسلے میں سپین میں مسلمانوں کی یونیورسٹی نے سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر گلبرٹ جس کا نام آپ کی فزکس میں مقناطیسیت کے تحت لکھا ہوا ہے قرطبہ یونیورسٹی کا پڑھا ہوا تھا۔ ابن سینا کی کتاب القانون جو کہ چودہ جلدوں میں عربی میں ہے، جب آج کا ڈاکٹر اس کو پڑھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا کہ آج کی اناٹومی، فزیالوجی کی روشنی میں جو اصول بیان کیے گئے ہیں اس نے ان واسطوں کے بغیر ان کو بیان کیا ہوا ہے، اور آج کی پیچیدہ پیچیدہ باتوں پر اس کی کتاب میں بحثیں ہیں، ابھی وقت نہیں ہے ورنہ اس کی عجیب وغریب باتیں آپ کو سناتا۔ ابوبکر رازی کی دوسو سے اوپر کتابیں علم طب پر ہیں اور چیچک کی ویکسین اس نے بیان کی ہے جس کو ۱۷۲۱ء میں لیڈی مارٹن کسی سفیر کی بیوی ہے اس نے سیکھا اور پھر جا کر اپنے ڈاکٹروں کو بتایا اور پھر وہاں اس پر کام ہو کر موجودہ شکل میں یہ ہمارے پاس آئی۔ چیچک کے مریض کے دانے کو پھوڑ کر پیپ نکال کر پیپ والی سوئی آدمی کے بدن میں لگا دیتے تھے تو آدمی کا علاج ہو جاتا تھا اور مرنے سے بچ جاتا تھا، پھر یورپی سائنسدانوں نے اس پر مزید کام کیا اور معلوم کیا کہ ان گوالوں کو جو اپنے ہاتھوں سے گائے دوہتے ہیں ان کو چیچک نہیں ہوتی ہے، ان کے ہاتھوں پر کچھ دانے ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ چیچک کا جو گائے والا جراثیم ہے اس سے انسان کو چیچک تو نہیں ہوتی ہے لیکن اس کی

مدافعت (immunity) پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا اب بچھڑوں کا چیچک کا جو کھرنڈ ہوتا ہے اس سے مواد لے کر ویکسین بناتے ہیں اور علاج کرتے ہیں۔ دراصل کئی ایسی چیزیں ہیں جو کہ نباتات اور حیوانات میں ہیں اور چونکہ انسان نباتات اور حیوانات سے دور ہوتا جارہا ہے اس لیے اس کے مسائل زیادہ ہوتے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کے اس دور میں ابن بیطار علمِ نباتات کا ماہر گزرا ہے، اور ابن العوام نے علم زراعت پر کتاب لکھی ہے۔ علامہ دمیری کی کتاب حیات الحیوان حیوانات کے بارے میں معلومات کا ایک دلچسپ اور عجیب مجموعہ ہے۔

بہرحال اب یہ بات مسلمانوں کے ہاتھ سے کیسے نکل گئی؟ اس کی دو وجوہات ہیں ایک سپین پر عیسائیوں کا قبضہ اور دوسرا بغداد پر تاتاریوں کا قبضہ۔ تاتاریوں نے بغداد میں مسلمانوں کا جو کتب خانہ برباد کیا اس سے دریائے دجلہ میں پل بن گیا، یہ وہ دریا ہے جس میں جہاز چلتا ہے۔ عیسائیوں نے جو سپین کو فتح کیا تو مسلمانوں کے ایک مرکزی کتب خانے کو دریا برد کیا اور جلایا جس میں پانچ لاکھ کتابیں تھیں۔ سپین والے مسلمانوں کی ساری علامات کو مٹا رہے تھے یہاں تک کہ انھوں نے وہ حمام بند کرائے جن میں مسلمانوں کا نہانے کا بندوبست تھا کیونکہ ان کے نزدیک نہانا ایک نامناسب سا کام تھا۔ ایک گورنر کو جو ہٹا رہے تھے تو اس پر اور الزامات کے ساتھ ایک یہ الزام بھی تھا کہ یہ مسلمانوں کی طرح روزانہ غسل کرتا ہے کیونکہ ان کے ہاں غسل کا رواج نہیں تھا۔ بہرحال عرض یہ تھی کہ یہ جو عام طور پر تأثر دیا گیا ہے کہ مسلمان علماء اور قرآن نے سائنس کا رد کیا ہے تو ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا کوئی تاریخی حوالہ اور ثبوت ہے۔ قرآن وحدیث کا سائنس کے ساتھ کسی جگہ ٹکراؤ نہیں آیا اور اگر کسی جگہ آیا ہے تو اللہ کے فضل سے سائنس بدلی ہے اور قرآن نہیں بدلا۔ فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلہ ہے کہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، عام کتابوں میں یوں ہی لکھا ہوتا ہے، لیکن جو کتاب اس کے اصول وقواعد پر بحث کرتی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ کیونکہ کان سے جوفِ دماغ تک راستہ ہے اور دماغ سے جوفِ معدہ تک راستہ ہے۔ بطورِ ڈاکٹر اس مسئلے کے ساتھ میرا اختلاف تھا، اب میں کسی کو کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اتفاقاً ایک دفعہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی مجلس میں اہلِ علم حضرات جمع تھے جن میں ہمارے پشاور یونیورسٹی کے ڈین مولانا سعید اللہ جان صاحب مازارہ والے بھی تھے۔ کسی نے مسئلہ پوچھا کہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں ٹوٹتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیسے ٹوٹتا ہے؟ مجلس میں کوئی عالم تھے انھوں نے کہا کہ کان سے جوفِ دماغ تک راستہ ہے اور وہاں سے جوفِ معدہ

تک راستہ ہے۔ میں نے کہا کہ یہ راستہ تو نہیں ہے، external ear اور middle ear کے درمیان پردہ ہے اور وہ پورا بند ہے، اس سے دماغ کو راستہ ہی نہیں ہے، اگر بالفرض دماغ تک راستہ ہو بھی تو دماغ سے معدے کو راستہ ہی نہیں ہے، اور روزہ کے ٹوٹنے کا اصول یہ ہے کہ حلق سے جو چیز نگل کر اتر جائے اس سے روزہ ٹوٹتا ہے اس سے پہلے اگر منہ مار رہا ہو تو اس سے بھی نہیں ٹوٹتا۔ ایک آدمی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے میری ڈانٹ ڈپٹ کی کہ آپ علماء کے سامنے کیا باتیں کہہ رہے ہیں اس نے مجھے چپ کرادیا، میں تو مارے ڈر کے خاموش ہو گیا۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بولو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ بات ذرا اصولی کرنی چاہئے سب سے قیمتی چیز انسان کے پاس اس کا عقیدہ اور نظریہ ہوتا ہے ایمان اگر چلا جائے تو آدمی کی شخصیت ہی ختم ہو گئی۔ میں نے کہا کہ عرض یہ ہے کہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹنے والی بات قرآن پاک کی آیت یا حدیث میں آئی ہوئی ہے؟ حضرت مولانا اشرف صاحب غور کرنے لگ گئے، مولانا سعید اللہ جان صاحب نے کہا کہ یہ بات قرآن وحدیث میں تو نہیں آئی ہوئی ہے، بلکہ اس بات کو اس دور کے فقہا نے اس دور کے طبیبوں اور حکیموں سے پوچھ کر اس مسئلے کو لکھا ہے، آج کی طب اگر اس مسئلے کو رد کردے تو اس مسئلے کی بنیاد نہیں رہے گی۔ تو بفضلہٖ تعالیٰ جس جگہ بھی ٹکراؤ آئے گا اس جگہ آپ دیکھیں گے کہ غلطی بیان کرنے والے کی ہوگی۔

☆☆☆☆☆

کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کی محنت اور سرگرمی کو دیکھا تو انھوں نے کہا کہ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کاش! اس کی یہ محنت اور سرگرمی اللہ کے راستے میں ہوتی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ ''اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے راستے میں ہے اور گر وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہے تو اس کا یہ عمل بھی اللہ کے راستے میں ہے اور اگر وہ اپنی باعزت روزی کے لیے محنت کر رہا ہے تو اس کا یہ عمل بھی اللہ کے راستے میں ہے۔ اس کے برعکس اگر اس کی دوڑ دھوپ دکھاوے اور فخر کے لیے ہے تو اس کا یہ سارا عمل شیطان کے راستے میں ہے۔'' (طبرانی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے خلفائے کرام کے بارے میں صدیوں پہلے پیشین گوئی

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند، ڈھاکہ و سابقہ مشرقی پاکستان تشریف لے گئے۔ وہاں اپنے میزبان سے معلوم ہوا کہ بنارس میں ایک کتاب سنسکرت زبان میں ہے جس کی بیشمار جلدیں ہیں، اس کتاب کی ایک جلد یہاں ڈھاکہ میں اس خاندان کے ایک فرد کے پاس موجود ہے اس جلد میں ممتاز دینی شخصیتوں کے حالات اور واقعات درج ہیں۔ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو چل کر دیکھ لیں۔ حضرت قاری صاحب نے احقر کے نام اپنے ایک گرامی نامہ کے اندر اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے جو قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش خدمت ہے۔

وکیل احمد شیروانی غفرلہ

خادم مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان

السلام علیکم، تحریر فرمودہ واقعہ میں تحریف ہوگئی ہے۔ شاید ناقل کی یاداشت کی کمی کے وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ تقریباً ۳۵ سال قبل میں ڈھاکہ گیا تھا۔ قیام حکیم حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم کے یہاں ہوا جو اصل سے لکھنؤ کے باشندے تھے۔ باپ کے زمانہ سے ڈھاکہ میں آباد ہوگئے تھے۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے انہوں نے اتفاقی طور پر ذکر کیا کہ بنارس کے رہنے والے ایک صاحب یہاں ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک کتاب جو سنسکرت میں لکھی ہوئی ہے، اس کی بارہ جلدیں تو بنارس میں ہیں اور باقی جلدیں (شاید دس بیس یا کم و بیش ہوں صحیح یاد نہیں رہا) ہردوار میں ہیں۔ صرف ایک جلد کی نقل ان صاحب کے پاس ہے جو ہندوستان سے متعلق ہے، ان جلدوں میں ممتاز شخصیتوں کے حالات اور واقعات درج ہیں۔ میں نے حکیم صاحب سے عرض کیا کہ اس شخص سے تو ہمیں بھی ملاؤ شاید کچھ واقعات کا علم ہو، اس سے ملاقات کا وقت لے لیجئے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ صاحب نوجوان اور خوش رو تھے۔ بات چیت شروع ہوئی۔ ان صاحب نے حکیم صاحب کے بیان کے تصدیق کی اور کہا کہ وہ کتاب میرے پاس موجود ہے میں نے کہا کہ اگر ہندوستان کی شخصیتوں کے حالات دریافت کروں تو آپ بتلائیں گے؟ انہوں نے کہا ضرور مگر شرط یہ

ہے کہ جن صاحب کے بارے میں معلوم کرنا ہوان کا سن ولادت آپ بتلائیں، میں نے کہا بہت اچھا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ علیہ کا ذکر:

اس کے بعد میں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے بارے میں بتلایئے، اوران کا سن ولادت بھی بتلادیا۔ اس نے فوراً کتاب کھولی اور بیان کرنا شروع کیا یعنی اسمیں سے پڑھ پڑھ کر سنایا کہ ''ہندوستان کی ایک یگانہ روزگار شخصیت ہوگی، علم بہت وسیع ہوگا شہرت کافی ہوگی۔ ایسا رشی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے، اس سے ہزاروں آدمی مستفید ہوں گے۔ وطن تھانہ بھون ہوگا، ان کے ایک بھائی ہوں گے جو ذہانت اور ذکاوت میں اوروں سے کم نہیں ہوں گے۔ مگر علمی لائن کے آدمی نہیں ہوں گے، نہ شہرت یافتہ ہوں گے، مولانا کے اولاد نہ ہوگی۔ مگر روحانی اولاد بہت کثیر ہوگی، اور سب دیندار اور متقی لوگ ہوں گے۔''

غرض حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی عظمت بیان کی، میں نے دل میں خیال کیا کہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت تو معروف ومشہور ہے ممکن ہے کہ اس شہرت پر سنی سنائی باتیں نقل کردی ہوں، تو میں نے حضرت کے کچھ خانگی حالات پوچھے تو اس نے وہ بھی من وعن بیان کیے جو عام لوگوں کے علم میں نہیں آسکتے تھے۔ تو پھر میں نے پوچھا کہ ان کے خلفاء میں سے کسی کا حال بیان کیجیے، اس نے کہا کی ان کی ولادت کا سن بتایئے۔

حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ تھانویؒ کا ذکر:

میں نے حضرت کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی کے متعلق پوچھا اوران کا سن ولادت بتایا، تو اس نے کہا کہ ''یہ حضرت کے خلفاء میں ممتاز شخصیت ہیں۔ ان کی عمر اتنی ہے حال ایسا ہے (اور وہ صحیح کہا حتیٰ کہ اس نے کہا کہ) وہ اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کریں گے۔'' حالانکہ یہ واقعہ ایسا تھا کہ صرف میرے ہی علم میں تھا۔ مولانا الہ آبادی دیوبند تشریف لائے تھے اور وقف علی الاولاد کے بارے میں مسودات ساتھ لائے تھے اور مجھے فرمایا کہ میں نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا صرف تجھ سے کیا ہے، اس کا افشانہ کیا جائے۔ مگر اس شخص نے کتاب سے پورا پورا واقعہ جو مجھ پر پیش آیا تھا سب بیان کردیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کرام کا ذکر:

پھر اس کے بعد میں نے پوچھا کہ ان کے خلفاء کتنے ہیں تو اس نے پوری فہرست سنادی، حالانکہ اس وقت بعض خلفاء کو اجازت بیعت ہوئی تھی، انکے بعد پھر دوسروں کو ہوئی، مگر اس نے ان کے نام بھی

بتائے۔

حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر:

اس فہرست میں میرا نام بھی آیا اس نے کہا کہ ''ان کے ایک خلیفہ طیوب ہیں جو دیابان (دیوبند) کے رہنے والے ہیں'' حالانکہ میں نے ابھی اس سے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا، نہ میزبان نے کرایا، اور نہ وہ مجھ سے واقف تھا، میں نے اپنا سن ولادت بتلایا، اور پوچھا کہ ان کے حالات کیا ہیں؟ اس نے کہا ''بڑے عالم ہیں ان کی شہرت بہت ہونے والی ہے اور وہ سفر کثرت سے کریں گے حتیٰ کہ بیرون ہند کے سفر بھی بہت کریں گے۔'' اس وقت تک میں نے صرف افغانستان کا سفر کیا تھا۔ دوسرے ممالک کا جن میں ایشیا، یورپ، مڈل ایسٹ اور افریقہ وغیرہ شامل ہیں ابھی تک سفر نہیں ہوا تھا۔ مگر اس نے ساری تفصیل بتلادی۔ پھر کہا کہ وہ تین بھائی ہیں ایک نوعمری میں انتقال کر جائے گا دو بھائی زندہ رہیں گے، ان کی دو بہنیں ہوں گی، ایک نوعمری میں گزر جائے گی، دوسری زندہ رہے گی، اور وہ صاحبِ اولاد ہوگی۔ ان کے والد کی دو شادیاں ہوں گی، پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوگی، یہ سب اولاد دوسری بیوی سے ہوگی۔''

اب یہ سارے واقعات خانگی تھے، جن کے متعلق میرے سوا شاید آج تک بھی کسی کو نہیں معلوم، پھر اس نے میری شادی کا ذکر کیا اور رامپور (سسرال) کا قصہ بیان کیا کہ بیوی وہاں کی رہنے والی ہوگی اور اپنے گھر کی رئیسہ ہوگی، پھر میں نے مزید احتیاط کے طور پر کہا کہ ایک شخص مولوی وصی الدّین ہیں (جو اس وقت سفر میں میرے ساتھ تھے اور دارالعلوم دیوبند کے طالب علم تھے) میں نے ان کے بارے میں پوچھا، اور ان کا سن ولادت بتایا۔ اس نے مولوی وصی الدّین کے خانگی حالات سنائے جو صرف مولوی صاحب ہی کے علم میں تھے، وہ بھی حیران رہ گئے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعہ کا ذکر اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

اس سفر سے واپسی کے بعد تھانہ بھون حاضر ہو کر سارا واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا۔ حضرت نے فرمایا کہ ''اس واقعہ کی تغلیط کی کوئی وجہ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سارے واقعات کتاب میں درج ہوں اور ممکن ہے کہ انبیاء سابقین پر منکشف ہوئے ہوں اور وہ لکھ لئے گئے ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے باہر تشریف لائے اور آپؐ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں اور فرمایا ﴿ھذا کتاب من رب العالمین وھذا کتاب من الرب العالمین﴾ دائیں ہاتھ کی کتاب کے

بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام ان بنی آدم کے نام اور حالات لکھے ہوئے ہیں جو جنتی ہونے والے ہیں اور بائیں ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام ان لوگوں کے اسماء واحوال لکھے ہوئے ہیں جو جہنمی ہونے والے ہیں اور پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر ارشاد فرمایا تو دونوں کتابیں غائب تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام میں ایک کتاب برآمد ہوئی جس میں خاص قواعد کے ذریعہ دنیا کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں واقعات کا استخراج کیا جاسکتا تھا، لوگوں میں اس کتاب کا چرچا ہوا اور وہ فتنہ کی صورت اختیار کر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا اور اس کتاب پر قبضہ کیا اور گیارہ قبریں کھودنے کا حکم دیا، جب قبریں تیار ہوگئیں تو ایک دن شب میں کسی وقت پہنچ کر اس کتاب کو ایک قبر میں دفن کر کے گیارہ کی گیارہ قبروں کو اوپر سے برابر کرادیا جس سے یہ فتنہ ختم ہوگیا۔ یہ ہے وہ واقعہ جس کے بارے میں آپ نے تصحیح چاہی۔

فقط محمد طیب رئیس عمومی دارالعلوم دیوبند وارد حال لاہور ۱۲ جمادی الاوّل ۷۷ھ

نیز حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے بھی ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے بھی اس کتاب کو دیکھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کتاب میں حضرت تھانویؒ کی وفات کی تاریخ اور دن بھی درج تھا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ نے اپنی مجلس میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ''جب مولانا طیب صاحب اس واقعہ کو بیان کرتے کرتے اس جملہ پر پہنچے کہ ''ایسا رشی (مصلح) صدیوں میں پیدا ہوتا ہے'' تو اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ فوراً دیوار سے ہٹ کر فرمایا ''میری ہی کیا خصوصیت ہے جو بھی آتا ہے اس کی نظیر صدیوں میں آتی ہے'' حضرت کے اس ارشاد سے تواضع، انکساریت اور فنایت اتم درجے میں ظاہر ہوتی ہے۔

نوٹ: حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی اصل تحریر مجلس صیانۃ المسلمین کے دفتر میں محفوظ ہے۔

(ماخوذ از: بزم اشرف کے چراغ۔ پروفیسر احمد سعید)

☆☆☆☆☆

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کوئی بات کہنا یا سننا چاہتا ہو مگر وہ بات اسے بھول جائے تو اسے چاہئے کہ مجھ پر درود بھیجے، کیونکہ درود شریف اس بات کا بدل ہو جائے گا، اور کچھ بعید نہیں کہ اسے وہ بات یاد بھی آجائے۔'' (پرنور دعائیں، مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

ڈاکٹر محمد طارق

﴿چند شبہات کا ازالہ﴾

آجکل کے معصیت زدہ ماحول میں رہتے ہوئے اور لادینی نظامِ تعلیم سے گزرنے کے بعد اور اِدھر اُدھر سے غیر مستند لوگوں کی کتابیں پڑھ کر آدمی کا ذہن الجھ جاتا ہے اور اس میں طرح طرح کے خیالات، اشکالات اور وسوسے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں اگر آدمی محقق علماء اور اولیاء اللہ کے ساتھ رابطہ رکھے اور ان کی باتیں غور سے سنے تو آدمی کے بچنے کی صورت ہو جاتی ہے ورنہ تو انسان کے ایمان تک کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ایسی ہی الجھنوں کے شکار ایک شخص نے ہمارے شیخ ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہ سے بات کرنے کا وقت لیا تھا۔ اتفاقاً احقر بھی وہاں موجود تھا اور پوری گفتگو بندہ کی موجودگی میں ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے مجھے اس کو قلمبند کرنے کا حکم فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب کے پوچھنے پر وہ صاحب کہنے لگے کہ میرے ذہن میں کچھ سوالات ہیں اور ان کا جواب معلوم کرنے کے لیے میں نے مختلف علماء اور صوفیاء سے وقت لیا ہے جن میں آپ بھی شامل ہیں اور اس کے بعد ڈاکٹر اسرار صاحب سے بھی وقت لیا ہوا ہے ان کے پاس بھی جاؤں گا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا کہ میں نے دُعا کی قبولیت کے بارے میں مختلف روایات سنی ہیں (۱) کہ نماز کے بعد دُعا قبول ہوتی ہے (۲) جب بارش ہو رہی ہو اور اس وقت آدمی دُعا مانگے تو وہ قبول ہوتی ہے (۳) سفر میں مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے (۴) خانۂ کعبہ پر پہلی نظر پڑنے کے وقت مانگی ہوئی دُعا قبول ہوتی ہے۔ یہ کہنے کے بعد اس نے کہا کہ میرے دل میں ایک مقصد اور خواہش ہے جس کے لیے میں نے بہت دُعائیں مانگی ہیں اور ان ساری روایات میں بتائے گئے اوقات میں بھی مانگی ہیں اور اب آخر میں میں نے عمرہ پر جانے کا ارادہ کیا ہے جس سے میرا واحد مقصد اس خواہش کے لیے خانۂ کعبہ کے سامنے دُعا مانگنے کا ہے اور ثواب کی نیت نہیں ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ میری دُعا کیوں قبول نہیں ہوئی؟ کیا یہ ساری روایات غلط ہیں؟ کیونکہ احادیث کے بارے میں مختلف باتیں مشہور ہیں کہ یہ صحیح حدیث ہے اور فلاں حدیث ضعیف ہے۔ دوسرا یہ کہ میں جو عمرہ پر جا رہا ہوں یہ ٹھیک ہے کہ نہیں؟ پھر اس نے کہا کہ ایک آدمی جو کہ ایک غیر کامل پیر کا مرید تھا نے مجھ سے کہا کہ آپ ہمارے حضرت کی قبر پر جا کر اتنا کہہ دیں کہ بابا جی یہاں تک تو میں آ گیا ہوں باقی آپ سنبھال لیں۔ کیا ایسا کہنا جائز ہے اور مجھے جانا چاہیے یا نہیں؟ اس کے بعد اس نے کہا کہ بعض اوقات (نعوذ باللہ) انبیاء علیھم

السلام بھی شک میں پڑ جاتے ہیں جیسا کہ ابراھیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ تو میرے جیسا آدمی جس کی دینی معلومات بھی کم ہوتی ہیں تو بہت سے شکوک وشبہات کی زد میں ہوتا ہے۔فرض کریں کہ اب میں کہوں کہ میں آخرت کو کیسے مان لوں کیونکہ احادیث کی صحت بھی مشکوک ہے۔

اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ عمرہ پر ضرور جائیں اور نیت ثواب کی اور اللہ کی رضا کی رکھیں ۔باقی اللہ ہر بات پر قادر ہے اور اگر اس بات میں آپ کے لیے خیر ہے تو ہو جائے گی اور اگر وہ خواہش پوری نہ ہوئی تو اس میں اللہ کی کوئی حکمت ہوگی۔اور یہ کہ آپ کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی قبر پر جا کر شرکیہ کلمات کہیں، اس سے گریز کریں۔اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کو شک وشبہ نہیں تھا بلکہ وہ اس بات کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے ۔پھر ڈاکٹر صاحب نے دُعا کی قبولیت، حدیث کی حجیت اور پرویزیوں کے پھیلائے ہوئے فتنۂ انکارِ حدیث پر تفصیلاً بحث کی۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات کو ایک واقعہ سے شروع کیا، کیونکہ سوال کرنے والے کے حالات بھی اس واقعہ کے مطابق محسوس ہو رہے تھے، کہا کہ ہمارا ایک ڈاکٹر صاحب ایک لڑکی کے دامِ الفت میں گرفتار ہونے کے بعد میرے پاس آیا کہ کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ وہ لڑکی مجھے مل جائے۔حضرت نے فرمایا کہ میں نے تھوڑی دیر اس کی حالت پر غور کیا تو یوں اندازہ ہوا کہ وہ خودکشی کرنے کے لیے تیار ہے۔تو میں نے اسے ۱۲۰ دن کے لیے ایک وظیفہ بتایا جو اس نے پوری پابندی سے کیا حتیٰ کہ ان دنوں اسے کوئی سفر درپیش ہوا تو آدھی رات کو گاڑی سے اتر کر ایک بیابان میں بھی وظیفہ پورا کیا۔جب اس لڑکی کا رشتہ کسی اور ڈاکٹر سے ہو گیا تو یہ ڈاکٹر صاحب بڑے غصے میں میرے پاس آیا کہ میں نے تو آپ کا بتایا ہوا وظیفہ بھی کیا اور اتنی دعائیں بھی مانگیں لیکن پھر بھی اس کا رشتہ کہیں اور ہو گیا۔آپ کے پاس آنے کا مجھے کیا فائدہ ہوا؟ بس میں تو اب جا کر خودکشی کرتا ہوں۔میں نے اسے دھمکانے کے لیے کہا کہ شوق سے جاؤ اور جو کرتے ہو کرو میرا کیا بگڑے گا ؟اور ملک کا کیا بگڑے گا؟ ایک آدمی ہی کم ہا جائے گا۔پھر اس کی عقل کو ٹھکانے پر لانے کے لیے کہا کہ ہاں البتہ تمہارے وہ بوڑھے ماں باپ جنھوں نے تمھیں پالا پوسا، بڑا کیا اور اس جگہ تک پہنچایا ان کا کوئی سہارا باقی نہیں رہے گا۔اور اس وظیفہ کا آپ کو ایک عظیم ثواب ملا اور ۱۲۰ دن تک آپ خودکشی کرنے سے رکے رہے، تب اس کو کچھ احساس ہوا اور ہوش میں آیا۔

پھر حاجی صاحب نے فرمایا کہ دُعا کی قبولیت کے تین درجے ہیں اوّل یہ کہ وہی چیز یا اس سے بہتر

انسان کو عطا کر دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ اس پر آنے والی کسی بیماری کو ٹال دیا جاتا ہے اور سوم یہ کہ دُعا اس کے اعمال نامے میں لکھ دی جاتی ہے اور قیامت کے دن اس کی نیکیوں کے پلڑے میں تولی جائے گی۔ قیامت کے دن ایک شخص جب اپنی قبول نہ ہونے والی دُعاؤں کا اجر دیکھے گا تو حسرت سے کہے گا کہ کاش میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی۔ بعض اوقات کسی چیز میں انسان کے لیے بہتری نہیں ہوتی اور وہ اس کے لیے دعا کرتا ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ بعض دفعہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اس میں تمہارے لیے خیر ہوتی ہے اور بعض اوقات تم ایک چیز کو پسند کرتے ہو اور اس میں تمہارے لیے شر ہوتا ہے۔

عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌلَّکُمْ ط وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ (البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ: اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو۔

تو دعا کی قبولیت اتنی سی بات ہے کہ گویا آپ کی درخواست لے لی گئی اب اگر اس میں خیر ہو تو اللہ تعالیٰ عطا کر دیتے ہیں اور اگر شر ہو تو عطا نہیں کیا جاتا۔ اور بیان کی گئی تین صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں دعا کا بدلہ ضرور دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حاجی صاحب نے فرمایا کہ حدیث کی کئی قسمیں ہیں مثلاً (۱) صحیح حدیث (۲) ضعیف حدیث (۳) موضوع حدیث

(۱) صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جس کے سارے راوی ثقہ ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کا حافظہ بہترین ہے، بات کو سمجھتے ہیں، فہم و فرست والے اور فیصلہ کن شخصیت ہیں۔ تو فرائض واجبات اور اہم امور کا فیصلہ کرنے کے لیے صحیح حدیث کو لیا جاتا ہے۔ پھر اس پر درّایتاً جرح کی جاتی ہے۔ درایت ایک پورا علم ہے جس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مثلاً حدیث کس سن ہجری یا نبوی میں بیان ہوئی، پھر دیکھا جاتا ہے کہ اس وقت راوی مسلمان ہوا تھا یا نہیں، اگر نہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس وقت راوی مسلمان ہی نہیں ہوا تھا، اور جس نے روایت کیا ہے تو مکہ میں سنا تھا یا مدینہ میں۔ اگر روایت چھ نبوی کی ہو اور مدینہ کہا جائے تو اس وقت تک تو ہجرت ہی نہیں ہوئی اور اس قسم کے مختلف سوالات سے حدیث کو پرکھا جاتا ہے اور پوری تسلی کے بعد اس کو لیا جاتا ہے۔

(۲) ضعیف حدیث بھی حدیث ہی ہوتی ہے لیکن اس کے راویوں میں سے ایک یا دو کمزور ہوتے

ہیں۔ایسی احادیث کو فرائض، واجبات اور اہم امور کے فیصلوں میں قبول نہیں کیا جاتا۔البتہ اعمال کے فضائل کے بارے میں ان کو بھی لے لیا جاتا ہے۔مثلاً فلاں عمل کا اتنا ثواب ہے تو اس کے کرنے میں چونکہ کوئی نقصان نہیں اس لیے اس کو قبول کیا جاتا ہے۔

(۳) موضوع حدیث گھڑی ہوئی حدیث کو کہتے ہیں جو کہ جھوٹ ہوتا ہے اور ان سب کو بھی علماء نے الگ کر کے لکھا ہوا ہے۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے میں ایک یہودی کو سزائے موت ہوئی تو اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایک حربہ استعمال کیا کہ دیکھو مجھے مت مارو کیونکہ گھڑی ہوئی حدیثیں مجھے معلوم ہیں اور اگر تم نے مجھے مار دیا تو وہ حدیثوں میں مل جائیں گی۔اس کو جواب دیا گیا کہ فکر کی کوئی بات نہیں حضرت امام احمد بن حنبل زندہ ہیں وہ ساری صحیح اور موضوع احادیث کو جانتے ہیں، وہ الگ کرلیں گے۔

اس کے علاوہ کچھ روایات اور کہانیاں ہیں جو دلچسب اور سبق آموز ہیں۔ان میں تورات، انجیل اور بزرگوں کی سنائی ہوئی کہانیوں کو بھی لے لیا جاتا ہے کیونکہ دلچسب ہوتی ہیں اور ان میں انسان کے لیے عبرت اور سبق کی کوئی بات ہوتی ہے اور اس بات کو سمجھانے میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ مثال سے بات جلدی سمجھ میں آجاتی ہے۔

حدیث کی حیثیت کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔پاکستان میں جس وقت غلام محمد گورنر جنرل تھا تو اس کو اس بات کا اندازہ تھا کہ عوام کا علماء کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔اگر جمہوری نظام کو چلایا جائے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ علماء انتخابات میں اکثریت حاصل کر کے حکومت پر قبضہ کرلیں گے۔اس لیے انھوں نے سوچ بچار اور غور وخوض کے بعد ایک منصوبہ بنایا کہ حدیث کو ہی مشکوک بنا دیا جائے، اس طرح عوام الجھن کا شکار ہو جائیں گے اور ہمیں اپنا الو سیدھا کرنے میں آسانی ہوگی۔کیونکہ حدیث وہ علم ہے جس نے قرآن پاک کے معانی محفوظ کیے ہوئے ہیں، اگر حدیث کو بیچ میں سے ہٹا دیا جائے تو پھر اہل باطل کو قرآن پاک کے اپنے مرضی کے معانی بیان کرنے کا کھلا موقع مل جاتا ہے۔غلام محمد جب فنانس سیکرٹری تھا تو اس کے دفتر میں ایک اانتہائی ذہین نوجوان غلام احمد پرویز سیکشن افسر تھا۔اس کام کے لیے غلام محمد نے پرویز کا انتخاب کیا اور اس کو ریٹائر کر کے کافی سارا فنڈ دے کر اس کام پر لگایا کہ دین کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کردے۔گورنر جنرل غلام محمد غیر مسلموں کے مقاصد کے حصول کے لیے انتہائی مفید تھا اس لیے اس کو اس وقت بھی برقرار رکھا گیا جبکہ وہ فالج زدہ تھا،

چار پائی سے اٹھ نہیں سکتا تھا اور صحیح طور پر بات بھی نہیں کر سکتا تھا بلکہ جب بولتا تو اس کے منہ سے نا قابل فہم سی بڑ بڑ نکلتی جو کسی کی سمجھ میں نہ آتی۔ پھر اس کی انگریز سیکرٹری روتھ اس کی ترجمانی کرتی کہ ہز ایکسیلنسی (His Excellency) نے یوں کہا ہے اور عملی طور پر حکومتی کاموں کو وہ چلا رہی تھی۔ غلام محمد سے کسی کو ملنے بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ اس بات کو قدرت اللہ شہاب نے اپنی خودنوشت سوانح عمری شہاب نامہ میں لکھا ہے۔

غلام احمد پرویز نے اس منصوبے پر کام کیا اور اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ حدیث کے ہوتے ہوئے دینی احکامات میں گڑبڑ کرنا مشکل ہے اس لیے اس نے شوشا چھوڑا کہ احادیث تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھی ہی نہیں گئیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو سال بعد لکھی گئی ہیں اور دلیل میں حدیث ہی کا حوالہ دیا کہ حضورؐ نے صحابہ کو حدیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔ اب کوئی شخص جو پوری معلومات نہ رکھتا ہو الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں، یہ شروع دور کی بات ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا تاکہ قرآن کی الگ حیثیت قائم ہو جائے۔ بعد میں آپؐ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی تھی۔ اب یا تو یہ بات پرویز کو معلوم نہ تھی (جو کہ ممکن نہیں کیونکہ اس کا مطالعہ کافی ہے) اور یا پھر خباثت سے اس بات کو گول کر کے جھوٹ بول رہا تھا۔ احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا صحیفۂ صادقہ اور دوسرے صحابہ کے مجموعے جو انھوں نے اپنی یادداشت کمزور ہونے سے پہلے لکھ لیے تھے۔ غلام احمد پرویز انتہائی ذہین آدمی تھا اس کی تحریریں جادو اثر ہیں جن کو پڑھ کر عام آدمی جس کا مطالعہ نہ ہو اور علماء و مشائخ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ ہوا ہو وہ الجھن کا شکار ہونے سے بچ نہیں سکتا اور بعض اوقات اپنا ایمان ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اس کے علاوہ پرویز نے ایک اور بات پھیلائی کی اتنی زیادہ احادیث ہیں یہ صحابہ کرام کو یاد کیسے رہیں؟ حالانکہ اس زمانے میں عربوں میں لکھنے کا رواج نہ تھا اور وہ شاعری کیا کرتے تھے اور ہزار ہزار اشعار کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ حضرات صحابہ میں سے تو کسی سے دس احادیث روایت ہیں، کسی سے بیس اور کسی سے ایک دو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہو تو اس کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی یاد رہتی ہے بلکہ اس کی ادائیں تک یاد ہو جاتی ہیں کہ یہ بات کرتے ہوئے اس طرح مسکرائے تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو صحابہ کرام کو اپنے محبوب کی چند باتیں یاد نہ رہی ہوں گی، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرات صحابہ کرام جب کوئی حدیث روایت کرتے تو ان پر ایک خوف طاری ہو جاتا اور فرماتے

چنانچہ ابوعمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں سال بھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھتا رہا مگر کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرماتے تھے اور اگر کبھی ان کے منہ سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا تو آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور آپ فرماتے تھے کہ آپؐ نے یہی فرمایا، اس جیسا فرمایا، یا اس کے لگ بھگ فرمایا۔

اس کے علاوہ اگر حدیث کو نعوذ باللہ نکال دیا جائے تو سارا دین ہی گڑبڑ ہو جائے گا۔ اللہ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن کے الفاظ بھی محفوظ ہیں اور اس کے معانی بھی حدیث کی شکل میں محفوظ ہیں، کیونکہ قرآن کی تشریح کا حق خود قرآن نے حضورؐ کو دیا ہے۔ آیت میں فرمایا گیا ہے

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (النحل:۴۴)

اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تاکہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں۔

اس آیت میں حدیث کی اور اماموں کی تشریح کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ہمارے ایک مولوی صاحب کے ساتھ منکرین حدیث کا ایک مناظرہ ہوا تو انھوں نے منکرین حدیث سے الزاماً کہا کہ آپ حدیث کو نہیں مانتے تو پھر تو آپ تو قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ کون کہتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اس پر منکرین حدیث نے کہا کہ حضورؐ نے کہا ہے۔ تو ہمارے مولوی صاحب نے کہا کہ کمال ہے اس زبان مبارک سے یہ فرمایا ہوا کہ یہ قرآن ہے اس کو مانتے ہو اور اسی زبان مبارک سے فرمائی ہوئی حدیث نہیں مانتے ہو۔ حدیث کو مانے بغیر قرآن کے معانی بھی مشکوک ہو جائیں گے اس لیے حدیث کو مانے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پرویز وہ اسلام چاہتا ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس آدمی سے کہا کہ یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے۔ آپ کی عمر ۲۵ سال ہے، دس سال کی عمر میں آپ نے ہوش سنبھالا ہوگا اور پھر پندرہ سال ایک نظام سے گزر کر ایک تاثر آپ کے اندر قائم ہوا ہے تو اس کو پندرہ منٹ میں کیسے زائل کیا جا سکتا ہے؟ آپ آئیں جائیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی الجھن ختم ہو جائے گی۔ تمت بالخیر

ڈاکٹر محمد طارق

پروفیسر فزیالوجی، کبیر میڈیکل کالج، پشاور۔

خواب اور بشارت

حضرت مولانا محمد اشرف پشاوری تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ (مولانا زکریاؒ) کے ایماء پر فضائلِ اعمال (جو حضرت کی فضائل کی کتابوں اور حکایات صحابہ پر مشتمل ہے) کا فارسی ترجمہ شروع کیا۔ ترجمہ کے بعد ایک خواب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دیکھا، آپ نے (یعنی حضرت تھانویؒ) نے ارشاد فرمایا ''آپ کو فارسی آگئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا''۔ پھر پوچھا، ''کیا آپ کو عربی آتی ہے؟'' بندہ کے اثبات کے جواب پر استفسار فرمایا ''جرس'' کے کیا معنی ہیں؟ اور جب بندہ نے معانی عرض کیے تو انتہائی مسرت وابتہال سے حافظ شیرازیؒ کی وہ پوری غزل سنائی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے

ع جرس فریاد می دارد که بر بندید محملها

بندہ نے ایک سفرِ حج پر حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مقامہ کو یہ خواب سنایا، نہایت مسرور ہوئے اور خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا، ''حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا۔''

اس کے تھوڑی دیر بعد حضراتِ تبلیغ مخدومی المکرّم حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدت فیوضھم وغیرہ تشریف لائے تو حضرت نے بندہ سے مسرت کے ساتھ فرمایا، ''ان حضرات کو بھی اپنا خواب سناؤ'' اور پھر مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا ''حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے''۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کچھ مردوں کو دیکھا جن کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ وہ مرد ہیں جو حرام (اجنبی عورتوں) کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے زیب وزینت کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا میں نے ایک بدبودار کنواں دیکھا جس میں سے چیخ وپکار کی آواز آ رہی تھی، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ اس میں وہ عورتیں ہیں جو ایسے مردوں کو رجھانے کے لیے زیب وزینت کرتی تھیں جو ان کے لیے حلال نہیں ہیں۔ (شرح الصدور عن الخطیب وابن عساکر)

☆☆☆☆☆☆☆